

قرآن حکیم اور موجودہ نظام تعلیم

ڈاکٹر محمد یوسف گوریہ

ڈاکٹر گوریہ نے ہر حد درجہ مبسوط مقالہ دوسرے سالانہ محضرات قرآنی

کے چوتھے اجلاس میں پیش فرمایا تھا

اسلام کا نظام تعلیم و تربیت دنیا میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ انتہائی مبارک و مسعود ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین اور تفسیر و تخطیط ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ اس سے ملت ابراہیمی اور امت محمدیہ کے درمیان دینی اور روحانی گہرے روابط استوار ہوئے۔

نظام تعلیم چار بنیادی عناصر پر مشتمل ہوتا ہے :-

(۱) مرکز تعلیم (۲) طلبہ (۳) معلم (۴) نصاب تعلیم و تربیت

سیدنا ابراہیم کی لازوال عظمت و بصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے نظام تعلیم و تربیت کے ان چاروں بنیادی عناصر کا تصور فرمایا اور انہیں معرض وجود میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا فرمائی۔

(۱) تعمیر بیت اللہ (مرکز تعلیم)

(۲) تخلیق امت مسلمہ (طلبہ)

(۳) بعثت محمدی (معلم)

(۴) تلاوت و تزکیہ اور تعلیم و حکمت (نصاب تعلیم و تربیت)

۱۔ تعمیر بیت اللہ (مرکز تعلیم و تربیت) | مرکز تعلیم و تربیت کی تاسیس و قیام کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ

کی تعمیر فرمائی۔

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دعا کئے

و اذ یرفع ابراہیم القواعد من

بیتہ و اسماعیل ربنا تقبل

© rasailojaraid.com

منا انك انت السميع العليم لے
جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار
ہم سے یہ خدمت قبول فرما بے شک
تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(۲) تخلیق امت مسلمہ (طلبہ) | درس گاہ بیت اللہ میں عبادت اور حصول تعلیم
و تربیت کے لئے آپ نے امت مسلمہ کی تخلیق کے

لئے دعا فرمائی:

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن
دیننا لک ہم مسلمین لک لے
اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار
بنائے رکھیے اور ہماری اولاد میں سے
ایک امت مسلمہ پیدا فرمائیے!

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور امت مسلمہ پیدا فرمائی۔
و كذلك جعلناكم امة وسطا
اور اس طرح ہم نے تم کو امت معتدل
بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

(۳) بعثت محمدی (معلم) | درس گاہ بیت اللہ میں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے
ذرائع انجام دینے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے ایک رسول

کی بعثت کے لئے دعا فرمائی:

ربنا والبعث فيهم رسولا منهم
اے ہمارے پروردگار اس امت میں
انہیں میں سے ایک رسول مبعوث
فرما:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور امت مسلمہ میں اپنے
فیض و کرم اور فضل و احسان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا:

۱ - القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۷)

۲ - القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۸)

۳ - القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۳)

۴ - القرآن الحکیم (۲ : ۱۲۹)

لقد من الله على المؤمنين از خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان
بعث فیہم رسولا من انفسہم میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔
(م) نصاب تعلیم و تربیت امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت ابراہیمؑ
نے ایک نصاب تعلیم و تربیت تجویز فرمایا اور بارگاہ

رب العزت میں منظوری کے لئے پیش فرمایا:

یتلوا علیہم آیتہ ولعلمہم وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے،
الکتب والحکمة ویزکیہم اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور
ان کا تزکیہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے مجوزہ نصاب تعلیم و تربیت کو شرف قبولیت بخشا
اور اس کے مطابق امت کی تعلیم و تربیت کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً بنہم یتلوا علیہم وہی تو ہے جس نے امیوں میں انہی
آیتہ ویزکیہم میں سے رسول بھیجا۔ جو ان پر اسکی
الکتب والحکمة آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ ان کا
تعلیم و تربیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور کتاب اور حکمت

ان مباحث سے معلوم ہوا کہ تعمیر بیت اللہ، تخلیق امت مسلمہ، بعثت محمدیؐ اور
تجویز و ترتیب نصاب تعلیم و تربیت ایک ہی مقدس و مذہب سلسلے کی مضبوط و مرموص
کڑیاں ہیں۔ اس کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوالانبیاء سے ہوا اور تکمیل سید المرسلین
رحمۃ للعالمین اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔

عہد نبویؐ کا نظام تعلیم و تربیت انہیں عناصر و اربعہ پر استوار تھا۔ جن کی تجویز و ترتیب اور
تاسیس و تشکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ اب ان چاروں عناصر کی مختصر طور پر

اہمیت بیان کی جا رہی ہے۔

مرکز تعلیم انسانیت کی اولین عبادت گاہ اور مرکز تعلیم و تربیت بیت اللہ شریف ہے۔ اسے دنیا کے تمام مراکز اور درس گاہوں پر جن خصوصیات کی بنا پر فوقیت حاصل ہے، قرآن نے ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذي
بہلکھم جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی
بمکتہ مبارکاً وھدی للعالمین
ہے جو مکہ میں ہے مبارک اور دنیا کیلئے
موجب ہدایت۔

اس آیت میں بیت اللہ کی دو صفیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) مبارک (۲) ھدی للعالمین
ایک جگہ بیت اللہ کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کو امن و سکون نصیب
ہوتا ہے۔

ومن دخلہ کان امناً
جو اس میں داخل ہوا اس نے امن پالیا
ایک جگہ بیت اللہ کو انسانیت کی اجتماع گاہ اور امن گاہ قرار دیا گیا ہے۔
واذ جعلنا البیت مثابة للناس
اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے
وامناً
کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی
جگہ مقرر کیا۔

قرآن و سنت اور سیرت و تاریخ میں بیت اللہ کی اور بھی کئی صفات بیان ہوئی ہیں
مذکورہ آیات میں بیت اللہ کی صفات یہ ہیں:- مبارک، ھدی للعالمین، اجتماع گاہ انسانیت
اور امن گاہ انسانیت، ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد
نبوی تعمیر فرمائی۔ یہ مسلمانوں کا دوسرا بڑا تعلیمی و روحانی مرکز قائم ہوا۔ اور یہ بھی انسانیت کے
لئے برکت، ہدایت، اجتماع اور امن کا موجب ثابت ہوا۔ اسی طرح جیسے جیسے انسانیت دائرہ
اسلام میں داخل ہوتی چلی گئی اور اسلام انکاف و اطراف عالم میں پھیلتا چلا گیا ویسے ویسے ان اولین

اسلامی تعلیمی و روحانی مراکز کی طرز پر تعلیم و عبادت گاہیں قائم ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی درگاہیں بابرکت ہوتی تھیں کیونکہ ان کے بانی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں غلو، غلو، نیک نیتی اور تقویٰ کی بنیاد پر ان کی تعمیر کرتے تھے۔ ان میں رشد و ہدایت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان میں برکت و ہدایت کی موجودگی انسانیت کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور متلاشیان حق اور فاضلین علم جوق در جوق ان اجتماع گاہوں کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ ان کا پر امن اور پرسکون ماحول علم و تحقیق کے لئے ہمیز اور تعقل و تفکر کے لئے تحریک و تہجیب کا باعث بنتا تھا۔

درحقیقت اسلامی درس گاہوں میں برکت اور ہدایت کا ماحول طلبہ کی خداداد صلاحیتوں کو دھڑکنے پر آمادہ کرتا، اور امن و اجتماع کی معتدل، خوشگوار اور سازگار فضا انہیں بڑھنے پھلنے، پھولنے اور پروان چڑھنے کے وسیع وافر مواقع فراہم کرتی تھی۔ مسجد نبوی بطور درس گاہ نظم و نسق کے اعتبار سے مثالی امن و سکون کے اعتبار سے نمونہ، برکت و ہدایت کے اعتبار سے بے مثل، صحابہ کرام شعلوم و فنون کی ہر نونہ کا سمو حاصل کرتے مختلف مسائل حیات پر اجتہاد و تحقیق کی تربیت پالتے، تماش و جستجو کی تربیت کے تحت بہت سے علمی، فکری اور تحقیقی سوال کرتے۔ اس آزادانہ علمی ماحول میں ان کی علمی و فکری تربیت ہوتی۔ درس گاہ میں نظم و ضبط کا سب سے بڑا اور اہم ترین قاعدہ اور قانون معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور سیرت و کردار تھا۔ جبر و اکراہ اور تحکم و تسلط کی جگہ معلم کی اخلاقی قوت اور اس کی ذات کی عظمت و رفعت تھی۔ یہ فضا صحابہ کی صفات عالیہ کو پروان چڑھاتی اور شرف و فساد کو دخل اندازی کا موقع نہ دیتی۔ ان اسلامی درس گاہوں اور ان کے اوصاف و صفات کا موازنہ جب عہد حاضر کی درس گاہوں سے کیا جاتا ہے تو ان کے مقصد و مدعا، ان کے ماحول اور ان کی فضا کا آپس میں کوئی ربط و تعلق نظر نہیں آتا۔ عہد نبوی کے تعلیمی و روحانی مراکز کی صفت قرآن نے یہ بیان کی ہے۔

لمسجد اسس علی التقویٰ للہ مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری درس گاہوں کی بنیاد بھی تقویٰ ہی ہے۔ کیا ان کا مقصد و مدعا اور ان کا ماحول اور فضا وہی ہے جو عہد نبوی کی تعلیم گاہوں کی تھی؟ آج و قدیم کی درس گاہیں قائم ہیں۔ ایک جدید نظام تعلیم کی درس گاہیں اور دوسری قدیم نظام تعلیم کی درس گاہیں جدید نظام

تعلیم کی درسگاہوں کا اصل الاصول تو مغربی فکر و فلسفہ ہے اگرچہ فروعات میں "لازمی دینیات" کے نام سے بھی ایک مضمون مختلف تعلیمی سطحوں پر شامل نصاب ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ اپنی مبانیات اور قواعد و کلیات کے اعتبار سے اسلامی معاشرت، نفسیات، تہذیب و تمدن اور دین و عقیدہ سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں۔ حال ہی میں اشتراکیت و اشتہائیت نے بھی ہماری درسگاہوں پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ اس صورتحال سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان درسگاہوں کے سامنے ملک و ملت کے حوالے سے کوئی بنیادی مقصد و مدعا موجود نہیں۔ اس نظام کے داعی اس کے حق میں اگر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں تو فقط یہ کہ اس سے خواندگی کی شرح بڑھتی ہے اور نوکری مل جاتی ہے اور بس! اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ہماری درسگاہوں کا مقصد و مدعا ہی متعین نہیں تو ان میں برکت و ہدایت اور اجتماع و امن کا ماحول کیسے پیدا ہو۔ اور اگر ان میں انتشار و افتراق فساد و طغیان اور قتل و بنگادت ہے تو یہ اسی صورت حال کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر وہ مبارک کی جگہ امبارک، ہدایت کی جگہ ضلالت، اجتماع کی جگہ انتشار اور امن کی جگہ فساد کا نقشہ پیش کرتی ہیں تو یہ نتیجہ ہے اس اتفاق کا جو تقویٰ کی جگہ ان درسگاہوں کی بنیاد ہے اور بغاوت ہے فوجوان نسل کی اس طبقہ کے خلاف جو اس نظام پر حاوی ہے جو یا تو نفاق کی وجہ سے مثبت تبدیلی کے حق میں نہیں یا نااہلیت کے سبب بہتر نظام کے قیام کے قابل نہیں۔

دوسری درسگاہیں قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں ہیں۔ جن میں عربی اور مذہبی نصاب تعلیم رائج ہے۔ ان میں خلوص و تقویٰ موجود ہے مگر بحیثیت مجموعی ذوق و اریت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ مختلف فرقوں کی درس گاہوں کے احاطوں میں امن و سکون رہتا ہے۔ مگر ان کے فارغ التحصیل جب مستند ہو کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کشیدگی پائی جاتی ہے جس کا اندازہ مساجد و محافل کے مختلف اجتماعات اور عبادت گاہوں پر قبضہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ہماری جدید و قدیم درس گاہوں کو با مقصد و تعمیری خطوط پر قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی بنیاد قرآن حکیم کی رہنمائی میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی و روحانی ورثہ گاہوں کی طرح تقویٰ پر رکھی جائے۔ انہیں برکت و ہدایت کا سرچشمہ اور امن و اجتماع کا مرکز بنایا جائے۔ طلبہ نظام تعلیم کا انتہائی اہم عنصر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبہ طلبہ اسلام کے تلامذہ تھے ان کی تعلیمات قرآن و حدیث اور سیرت و تاریخ میں موجود ہیں جن سے

کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی سیرت کی تشکیل، کردار کی بختیگی، دنیوی امور میں مہارت اور اخروی مقاصد کا حصول تھا۔ خشیت الہی کے تحت حقوق و فرائض کی تعیین اور ادائیگی میں توازن اور رضائے الہی کے حصول کے لئے ایثار، قربانی، محبت، شفقت، ہمدردی، غمگساری، محنت، دیانت، قابلیت سے کام لینا تھا۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے لئے انتہا درجے کا شوق و ذوق، محنت و مشقت، احقاقِ حق

اور ابطالِ باطل ان کے اوصاف تھے۔ قرآن حکیم نے عقل و فکر، تدبیر و تعقل پر بڑا زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی کی درگاہوں میں اندھی تقلید اور جمود کی جگہ اجتہاد کا دور دورہ تھا۔ صحابہ کرام اپنی ذہنی، فکری، قلبی اور روحانی صلاحیتوں کو پریشان پرکھاتے تھے۔ ان کی افراط و تفریط کی جگہ اعتدال تھا۔ دینی اور دنیوی امور میں توازن تھا۔ علوم و فنون میں انہماک انہیں اپنے خالق و مالک کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ اور زہد و تقویٰ دنیوی امور میں مہارت کے مانع نہیں ہوتا تھا۔ ان کے سامنے نظامِ تعلیم کا مقصد و مدعا واضح تھا۔ اس لئے وہ اس کے حصول کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول رہتے۔ اپنی تمام توانائیاں اس کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے اور پورے امن و سکون کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہتے۔ پوری دلچسپی کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کا حصول ان کا مطمح نظر ہوتا بلند و بالا امور کی طلب و جستجو لگن کے سبب غیر ضروری، فضول اور بیکار کاموں کیلئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا۔

یہی وہ صفاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ تھیں جن کی بدولت قلیل ترین مدت میں صحابہ کرام نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے فقہ و قانون میں وہ اجتہادات کئے جن کی روشنی انسانیت کو آئین و قوانین کی ترتیب میں ہمیشہ راہ دکھائی رہے گی۔ تعمیر و تشکیلِ شخصیت میں انہوں نے ایسی مثالیں قائم کیں جو قیامت تک انسانوں کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت سے موجود رہیں گی۔ علم و فضل اور عقل و تدبیر کے ایسے شاہکار سامنے لائے جو تاریکی و جہالت سے نکلنے والوں کے لئے مشعل کا کام دیتے رہیں گے۔ طلباء و درس گاہ عہد نبوی اور طلباء عہدِ حاضر کے موازنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں انتہائی بُعد ہے، ان میں شوق و ذوق ان میں لاپرواہی و بے رغبتی، ان میں اجتہاد و جستجو ان میں جمود و اعتنائی، ان میں مقصد و مدعا کے حصول کی طلب ان میں مقصد و مدعا کی بے یقینی، وہ تعمیر کے لئے بے قرار یہ

تعلیم کی درسگاہوں کا اصل الاصول تو مغربی فکر و فلسفہ ہے اگرچہ فروعات میں "لازمی دینیات" کے نام سے بھی ایک مضمون مختلف تعلیمی سطحوں پر شامل نصاب ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ اپنی مبادیات اور قواعد و کلیات کے اعتبار سے اسلامی معاشرت، انفسیات، تہذیب و تمدن اور دین و عقیدہ سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں۔ حال ہی میں اشتراکیت و اشتعالیت نے بھی ہماری درسگاہوں پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ اس صورتحال سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان درسگاہوں کے سامنے ملک و ملت کے حوالے سے کوئی بنیادی مقصد و مدعا موجود نہیں۔ اس نظام کے داعی اس کے حق میں اگر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں تو فطریہ کہ اس سے خواندگی کی شرح بڑھتی ہے اور نوکری مل جاتی ہے اور بس! اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس طرح کی درسگاہوں کا مقصد و مدعا ہی متعین نہیں تو ان میں برکت و ہدایت اور اجتماع و امن کا ماحول کیسے پیدا ہو۔ اور اگر ان میں انتشار و افتراق فساد و وطنیان اور قتل و بغاوت ہے تو یہ اسی صورت حال کا منطقی نتیجہ ہے۔ اگر وہ مبارک کی جگہ نامبارک، ہدایت کی جگہ ضلالت، اجتماع کی جگہ انتشار اور امن کی جگہ فساد کا نقشہ پیش کرتی ہیں تو یہ نتیجہ ہے اس نفاق کا جو تقویٰ کی جگہ ان درسگاہوں کی بنیاد ہے اور بغاوت ہے فوج و ان نسل کی اس طبقہ کے خلاف جو اس نظام پر حاوی ہے جو یہاں نفاق کی وجہ سے مثبت تبدیلی کے حق میں نہیں یا نااہلیت کے سبب بہتر نظام کے قیام کے قابل نہیں۔

دوسری درسگاہیں قدیم نظام تعلیم کی درسگاہیں ہیں۔ جن میں عربی اور مذہبی نصاب تعلیم رائج ہے۔ ان میں خلوص و تقویٰ موجود ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی فرقہ واریت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ مختلف فرقوں کی درسگاہوں کے احاطوں میں امن و سکون رہتا ہے۔ مگر ان کے فارغ التحصیل جب مستند ہو کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کشیدگی پائی جاتی ہے جس کا اندازہ مساجد و محافل کے مختلف اجتماعات اور عبادت گاہوں پر قبضہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ہماری جدید و قدیم درسگاہوں کو با مقصد و تعمیری خطوط پر قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی بنیاد قرآن حکیم کی رہنمائی میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی و روحانی درسگاہوں کی طرح تقویٰ پر رکھی جائے۔ انہیں برکت و ہدایت کا سرچشمہ اور امن و اجتماع کا مرکز بنایا جائے۔ طلبہ نظام تعلیم کا انتہائی اہم عنصر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبہ طلبہ نظام تعلیم کا انتہائی اہم عنصر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طلبہ

کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ ان کا سب سے بڑا مقصد اپنی سیرت کی تشکیل، کردار کی بچھگی، ذنیوی امور میں مہارت اور اخروی مقاصد کا حصول تھا۔ خشیت الہی کے تحت حقوق و فرائض کی تعیین اور ادائیگی میں توازن اور رضائے الہی کے حصول کے لئے اشارہ، قربانی، محبت، شفقت، بہمدردی، غمگساری، محنت، دیانت، قابلیت سے کام لینا تھا۔ مختلف علوم و فنون کی تحصیل کے لئے انتہا درجے کا شوق و ذوق، محنت و مشقت، احقاقِ حق اور باطل ان کے اوصاف تھے۔

قرآن حکیم نے عقل و فکر، تدبیر و عقل پر بڑا زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی کی درگاہوں میں انہی تقید اور جمود کی جگہ اجتہاد کا دور دورہ تھا۔ صحابہ کرام اپنی ذہنی، فکری، قلبی اور روحانی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے تھے۔ ان میں افراط و تفریط کی جگہ اعتدال تھا۔ دینی اور دنیوی امور میں توازن تھا۔ علوم و فنون میں انہماک انہیں اپنے خالق و مالک کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ اور زہد و تقویٰ ذنیوی امور میں مہارت کے مانع نہیں ہوتا تھا۔ ان کے سامنے نظامِ تعلیم کا مقصد و مدعا واضح تھا۔ اس لئے وہ اس کے حصول کے لئے ہمہ تن مصروف و مشغول رہتے۔ اپنی تمام توانائیاں اس کو حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے اور پورے امن و سکون کے ساتھ حصولِ علم میں لگے رہتے۔ پوری مجموعی کے ساتھ اعلیٰ مقاصد کا حصول ان کا مطمح نظر ہوتا بلند و بالا امور کی طلب و جستجو لیکن کے سبب غیر ضروری، فضول اور بیکار کاموں کیلئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا۔

یہی وہ صفاتِ عالیہ اور اوصافِ حمیدہ تھیں جن کی بدولت قلیل ترین مدت میں صحابہ کرام نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے فقہ و قانون میں وہ اجتہادات کیے جن کی روشنی انسانیت کو آئین و قوانین کی ترتیب میں ہمیشہ راہ دکھاتی رہے گی۔ تعمیر و تشکیلِ شخصیت میں انہوں نے ایسی مثالیں قائم کیں جو قیامت تک انسانوں کے لئے رہبر و رہنما کی حیثیت سے موجود رہیں گی۔ علم و فضل اور عقل و تدبیر کے ایسے شاہکار سامنے لائے جو تاریکی و جہالت سے نکلنے والوں کے لئے مشعل کا کام دیتے رہیں گے۔ طلباء و درس گاہِ عہدِ نبوی اور طلباءِ عہدِ حاضر کے موازنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں انتہائی بُعد ہے، ان میں شوق و ذوق ان میں لاپرواہی و بے رغبتی، ان میں اجتہاد و جستجو ان میں جمود ہے، اعتنائی، ان میں مقصد و مدعا کے حصول کی ترغیب ان میں مقصد و مدعا کی بے لگنی، وہ تعمیر کے لئے بے قرار یہ

تخریب کے لئے بے چین وہ نہ پایا ادب و احترام یہ نمونہ تو بین و تحقیق
یہ لازم نہیں کہ اب ایسے خلص، محنتی اور بامقصد طلبہ بالکل مفقود ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔
ایسے طلبہ موجود ہیں اور ان پر قوم کو فخر ہے۔ البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ اس وقت کس ذہنیت کا
غلبہ ہے؟ اور تخریب و انتشار کا رُخ تعمیر و سکون کی طرف کس طرح موڑا جاسکتا ہے۔ میری سمجھ
میں صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ طلبہ میں صفات صحابہ کرام پیدا کی جائیں۔ ان کے سامنے درگاہ
نبوی کے تلامذہ کا نقشہ پیش کیا جائے، ان میں جوش عقیدہ پیدا کیا جائے اور اس عقیدہ کے
مضمرات ان کے عمل اور سیرت و کردار کا روپ دھارتے چلے جائیں۔ اس کے لئے ضروری ہوگا
کہ صحابہ کرام کے علمی کارنامے اور حصول علم میں ان کی جدوجہد اور مصائب و آلام کی برداشت پر مبنی

نصاب تالیف
© rasailojaraid.com
معلم نظام تعلیم و تربیت میں معلم کو مرکزی و محوری حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی نظام
تعلیم کے اولین معلم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:
انما بعثت معلماؑ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس منصب پر فائز ہوتے ہی سب سے پہلے آپ نے اپنی قبل از نبوت سیرت و کردار
کے بارے میں اپنے اہل شہر سے دریافت فرمایا کہ میں آپ لوگوں میں زندگی بسر کر چکا ہوں۔
آپ نے مجھے کیسا پایا؟ سب لوگوں نے شہادت دی کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ صادق و امین پایا۔ ہم
نے آج تک آپ سے سوائے سچ کے کچھ نہیں سنا۔ اہل شہر کی اسی شہادت کو قرآن حکیم نے اسے
آیت کریمہ میں بیان کیا ہے۔

فقد بشت فیکم عمرا من قبلہ میں قبل ازیں تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں
اخلا تعقلونؑ کیا تم سمجھتے نہیں
آپ کے خلق عظیم کی شہادت سب سے آخری آسمانی وحی قرآن حکیم نے اس آیت میں
بیان فرمائی ہے۔

وانک لعلی خلق عظیمؑ آپ یقیناً خلق عظیم رکھتے ہیں

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصب نبوت کے متعلق ارشاد فرمایا:
بعثت لاقم حسن الاخلاق^{۱۵} میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بعثت
ہوا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معلمی کے فرض کو حسن و خوبی سے انجام دیا وہ ایک ابدی
و سرمدی نمونہ عمل ہے۔ اس فریضے کی انجام دہی کے لئے آپ نے جس خلوص، جذبہ، محنت،
محبت اور سہمزدی کو اپنایا اللہ تعالیٰ نے اسے انتہائی بصیرت اور درانداز میں اس آیت میں
بیان فرمایا۔

فلعلک باخع نفسك على آتاهم (اے پیغمبر، اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ
لاؤ تو شاید آپ ان کے پیچھے رنج کر کے
اسپنے آپ کو ہلاک کر دیں۔
ان لم يؤمنوا بهذا الحديث
اسفانہ

جب تک معلم کو اپنے مقصد و مشن کے ساتھ ایسی ہی وابستگی نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح
معنوں میں تعلیم و تبلیغ کے منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
اخلاق، اعمال اور سیرت و کردار کا جو نمونہ بحیثیت مجموعی نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اسے
قرآن حکیم نے تمام انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اور قیامت تک تعلیم و تبلیغ سے وابستہ
انسانوں کو اسے اپنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ
حسنۃ علیہ

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ معلمین اسلام نے فرائض تعلیم سنبھالنے سے پہلے
اپنی سیرت و کردار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق ڈھالا۔ پورے جذبہ،
شوق اور مشن کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کی۔ کمال خلوص، محنت اور جانفشانی اپنے
ملازمہ میں علم و سہمزدی کی جستجو اور تحقیق و اجتہاد کی تڑپ پیدا کی۔

۱۵۔ امام مالک الموطا، باب حسن الخلق، ۸

۱۶۔ القرآن الحکیم (۱۸: ۶)

۱۷۔ القرآن الحکیم (۲۱: ۳۳)

عہد حاضر میں اخلاق و کردار کی بہتی اور سیرت و اعمال کی گراوٹ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مجموعی اس کی تہہ میں معتین کا کردار پوشیدہ ہے۔ ان کی مقصد و مدعا سے لاپرواہی، محنت و جانفشانی سے پہلو تہی، طلبہ سے بے رغبتی وہ عوامل ہیں جن کا پرتوان کے زیر تعلیم طلبہ کی ذات و شخصیت پر پڑتا ہے۔ جب تک معتین اپنی سیرت و کردار اور اعمال و افعال کو اسوۂ حسنہ کے مطابق نہیں ڈھالتے اور اپنے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کردار کو طلبہ کے لئے نمونے کے طور پر پیش نہیں کرتے اس وقت تک قومی و ملی اخلاقی گراوٹ کا رخ تعمیر و ترقی کی طرف نہیں موڑا جاسکتا۔

نظام تعلیم سے وابستہ معتین کے لئے لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ و اخلاق عظیمہ اور آپ کے کردار "فعلک باخلفک" علیٰ اشارہ محمد بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما "یومنونوا بهذا الحديث اسفا" کو اپنائیں اور اس کے مطابق تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیں۔

نصاب تعلیم و تربیت قرآن حکیم کی سورہ بقرہ، آل عمران اور جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد اور آپ کی نبوت و رسالت کے فرائض منصبی بیان ہوئے ہیں۔ انہیں مقاصد نبوت کے مطابق آپ نے امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت فرمائی اور انہیں بنیادی تعلیمی اصولوں پر عہد نبوی کا نصاب تعلیم و تربیت مشتمل تھا۔

- ۱۔ تلاوت آیات (یتدوا علیہم آیاتک)
- ۲۔ تعلیم کتاب (وعلیمہم اللتب)
- ۳۔ تعلیم حکمت (والحکمت)
- ۴۔ تزکیہ نفس (ویرکبہم)

تلاوت آیات سب سے پہلے تلاوت آیات کو لیجئے۔ امام راغب صفہانی تلاوت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

والتلاوة تخص باتباع کتب
تلاوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے
نازل کردہ کتب کی اتباع کے لئے
اللہ المنزله
مخصوص ہے۔

اس کے ساتھ ہی تلاوت کا یہ معنی بھی ہے۔

یَقَالَ فِي الْقُرْآنِ فِي شَيْءٍ اِذَا قَرَأْتَهُ
تَوْنَةً اَمِيسَ سَے کچھ پڑھا تو تیرے پاؤں
دَجِبَ عَلَیْكَ اتِّبَاعُهُ
اس کی اتباع واجب ہو گئی۔

تلاوت سے مراد قرآن حکیم کے اوامر و نواہی اور احکام و تعلیمات کی تلاوت، ان پر عمل کے نقطہ نظر سے کرنا ہے۔ تلاوت کے دو مفہوم ہیں:-

۱۔ قرآن کے الفاظ کی حفاظت اور ان کا تقدس

۲۔ قرآنی احکام و قوانین اور اخلاقی و روحانی تعلیمات کی اتباع

اسلام کے "تلاوت" کا معنی یہ ہوا کہ قرآنی آیات کو عام کیا جائے انہیں نہایت وسوسہ کی کے ساتھ تلاوت کر کے ذہن نشین کیا جائے، قلب و روح پر ان آیات کو نقش کیا جائے۔ ملک و معاشرے میں موجود ہر فکر و فلسفہ پر ان آیات کا غلبہ ہو، شعروادب پر قرآنی آیات کی چھاپ ہو۔ معاشرے میں تمام افکار و خیالات ان کے تابع ہوں۔ انفرادی و اجتماعی زندگی میں ان کا چرچا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے وصال تک مسلسل اس طرح تلاوت فرمائی کہ قرآنی آیات روزمرہ کا موضوع بن گئیں موافق و مخالف سب انہیں کے متعلق گفتگو کرتے۔ آپ نے تلاوت کے ذریعے قرآن کو اتنا عام کر دیا کہ قبل از اسلام کا شعر و ادب دب کر رہ گئے۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر قرآنی آیات کا چرچا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ قبل از اسلام عرب تہذیب و ثقافت کا سرمایہ "سبع معلقات" بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے اور ان کی جگہ قرآنی آیات نے لے لی۔

آج اگر عہد نبوی کے نصاب تعلیم کے پہلے جزو "تلاوت آیات" پر مبنی ملک کے نظام تعلیم کو ترتیب دیا جائے تو نہایت صدق اور اخلاص کے ساتھ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تلاوت آیات کو نصاب تعلیم میں پوری پوری اہمیت دینا ہوگی۔ ایک مقررہ مدت کے اندر اندر ملک کے ہر فرد میں تلاوت آیات کی استعداد پیدا کرنا ہوگی۔ اس کا عملی طریقہ یہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ ہمارے نظام تعلیم کے درجہ ابتدائے (پرائمری) میں پورے قرآن ناظرہ کی تعلیم لازمی قرار دی جائے تاکہ ملک کے ہر پرائمری پاس بچے میں پورے قرآن حکیم کو ناظرہ طور پر پڑھنے

کی استعداد پیدا ہو جائے۔

۲۔ اس سلسلے میں دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ مختلف موضوعات کے تحت آسان اور عام فہم اردو زبان میں طلبہ کو پڑھایا جائے۔

تعلیم کتاب | عہد نبوی کے نصاب تعلیم کا دوسرا بڑا اصول تعلیم کتاب ہے۔ کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی سب سے آخری وحی کتاب اللہ، قرآن حکیم ہے۔ اس کی تعلیم سے مراد اس کے احکام، تعلیمات، ارشادات، ہدایات، اوامر و نواہی کی تعلیم ہے۔ پوری کتاب کو سمجھنا اس کے معانی و مفہام کو جاننا، اس میں دیئے گئے احکام کا علم حاصل کرنا، اس کی تعلیمات، ارشادات اور ہدایات کا فہم و ادراک پیدا کرنا اس کے اوامر و نواہی کو سیکھنا، تعلیم کتاب ہے۔ قرآن حکیم حقائق کی طرف سے مخلوق کے لئے آخری، مکمل، تمام کمال، غیر متغیر، غیر متبدل، ابدی سرمدی ہدایت ہے۔ ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اسے پڑھے، اسے سکھے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔ تعلیم کتاب میں فرد سے زیادہ معاشرے پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرے۔ عام حالات میں ہر فرد کو خود بخود تعلیم کتاب کی اہمیت کا احساس نہیں ہوتا، اس لئے یہ معاشرے کا فرض ہے کہ وہ ایسا نظام تعلیم معرض وجود میں لائے جس کی بنیاد "تعلیم کتاب" پر ہو۔ قرآنی آیات کو پڑھنا اور ان کی تلاوت کرنا، تلاوت آیات ہے، تعلیم کتاب سے مراد ان آیات میں دی گئی تعلیمات کو سیکھنا، انہیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ تلاوت کے علاوہ قرآنی آیات کا معنی اور مفہوم سمجھا جائے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملک و ملت کے ہر فرد کو اس کا اہل بنانا کہ وہ قرآن حکیم کی جملہ تعلیمات کو سمجھ سکے۔ اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اسلامی معاشرہ اپنے اس فریضہ کو اپنی حکومت کی وساطت سے انجام دیتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کی حکومت پر اس فریضہ کی اصل انجام دہی عائد ہوتی ہے حکومت تمام مسلمانوں کے لئے "تعلیم کتاب" کا اہتمام اپنے نظام تعلیم کے ذریعے کر سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک و مسعود عہد میں جو نصاب تعلیم ترتیب دیا تھا اس میں تعلیم کتاب ہی کو بنیادی، محوری اور مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی حکومت کے جملہ ذرائع و وسائل تعلیم کتاب کے لئے وقف تھے۔ سربراہ حکومت اور تمام اعیان و اعیان مملکت تعلیم کتاب میں مصروف تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خصوصی تربیت

لے لئے مامور فرمایا۔ مسجد سب سے بڑی درسگاہ قرار پائی۔ ملک کی تمام مساجد تعلیم کتاب کے لئے وقف تھیں، اور تمام مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ مسجد میں حاضر ہوں اور کتاب کا علم حاصل کریں۔

۱۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کا نظام تعلیم ایک مثالی نظام تھا۔ اس نظام کے ذریعے ہر مسلمان میں اتنی استعداد پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اُس کی کتاب، قرآن حکیم کو پڑھ کر خود سمجھ سکتا تھا۔ کتاب اللہ کی اس وسیع پیمانے پر تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت کے تمام شعبے خود بخود اسلامی سانچے میں ڈھلتے چلے گئے۔ معیشت، معاشرت، سیاست، تمدن، ثقافت، نہایت آسانی، دلی رغبت اور سہولت کے ساتھ اسلامی رنگ اختیار کرتے چلے گئے۔ تعلیم کتاب مسلمانوں کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوئی اور مسلمان کتاب اللہ کی تعلیمات کے زیر اثر انسانیت کے لئے نمونہ بن گئے۔ ان کے اعمال، افعال، سیرت، کردار، تہذیب اور اخلاق انسانیت کے لئے معیار قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ نظام حکومت کو چلانے والے عمال اور حکام دیانت، امانت، محنت اور خدمت کا شاہکار بن کر سامنے آئے۔ عوام صدق، خلوص، ایثار، ہمدردی، اخوت، محبت، اتحاد و اتفاق کا مجسمہ بن کر دوسری انسانیت کے سچے محسن و غم خوار ثابت ہوئے۔ شر، فساد، فحش، منکر، مغلوب ہو گئے اور خیر و معروف، صلاح، فلاح غالب ہو گئے۔ بزدلی، چوری، دغا، فریب، مکاری، عیاری کی جگہ شجاعت، اولوالعزمی، بلند ہمتی، عزم، صمیم، صدق اور خلوص، اسلامی معاشرت کا طرہ امتیاز قرار پائے۔ یہ وہ نتائج ہیں جو صرف ایک درست قدم اٹھانے سے برآمد ہوئے اور یہ درست قدم تعلیم کتاب کو نظام تعلیم کا مرکز قرار دینا تھا۔

”تعلیم کتاب“ کو موجودہ نظام تعلیم میں رائج کرنے کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ درجہ ثانویہ (میٹرک) تک اسے لازمی قرار دیا جائے۔ ان پانچ سالوں میں ”تعلیم کتاب“ کو اس طرح نصاب کا حصہ بنایا جائے کہ میٹرک پاس کرنے تک ہر طالب علم لازمی طور پر پورے قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ جائے اور قرآن کی بنیادی تعلیمات کو پوری طرح سمجھ جائے۔ جس طرح حصہ پرائمری میں پورا قرآن ناظرہ پڑھا دیا جائے۔ اسی طرح حصہ میٹرک میں پورے قرآن کا ترجمہ سکھا دیا جائے۔

تعلیم کتاب کو ثانوی نصاب تعلیم و تربیت کا تیسرا بڑا اصول تعلیم حکمت (والحکمتہ) ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا حکمت سے مراد دین کی معرفت اس کی فقہ

اور اس کی اتباع ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حکمت سے مراد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ امام رازی نے فرمایا کہ کتاب سے مراد قرآنی احکام ہیں اور حکمت سے مراد ان احکام و شرائع کی حکمت اور ان میں انسانیت کے لئے مصلح و منافع کا بیان ہے۔ ان ائمہ مجتہدین و مفسرین کی آراء سے ظاہر ہوا کہ قرآنی نصاب تعلیم کا اصول ”والحکمہ“ ایک نہایت جامع اصطلاح ہے جس میں وہ تمام علوم سمٹ آتے ہیں جن کا تعلق کتاب و سنت کی تعلیمات سے ہے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات پر ایک سرسری نظر سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ دینی و دنیوی امور پر مشتمل ہر وہ چیز جو دنیا و آخرت میں انسانیت کے لئے فائدہ مند اور نفع بخش ہے ان تعلیمات میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حکمت اسرار و رموز دین الہی کی کوکشاں ہے اور کتاب و سنت کی تعلیمات سے موافق اور ان کے مطابق تمام علوم و فنون بھی ہیں یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ آپ کے ارشادات، فرمودات، تعالیر، اقوال، افعال و اعمال پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ قانون، تعلیم، حکومت، عدالت، معاشرت، معیشت، سیاست، تہذیب و تمدن کی تشکیل اور اخلاق و کردار کی تعمیر سب حکمت کی عمدہ تفسیر ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام معاشرتی و سائنسی علوم جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہیں اور وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے موافق ہیں وہ سب اسلامی ہیں اور ان کی تحصیل ضروری ہے۔

حکمت، روح دین ہے اسے موجودہ نظام تعلیم میں بی۔ اے، بی ایس سی، تک پڑھایا جائے۔ قرآن کی تعلیمات کی غایت اور ان کی روح پر مبنی نصاب تیار کر کے نظام تعلیم کے جملہ شعبہ جات کی گریجویٹ سطح پر نافذ کیا جائے۔ نصاب، حکمت کی ترتیب و تدوین میں امام غزالی، امام ابن تیمیہ، ابن خلدون، امام شاہ ولی اللہ، علامہ اقبال کی خدمات سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ میٹرک کی سطح تک تلاوت و تعلیم کتاب کے بعد گریجویٹ سطح تک تعلیم حکمت کے اہتمام کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ اس مجوزہ نظام تعلیم سے پیدا ہونے والے ڈاکٹر، انجینئر، ماہرین معاشیات، سیاسیات، معاشرت، عدالت، تعلیم، پوری طرح کتاب و سنت سے سرشار ہو کر اطراف و اکناف عالم میں پھیل جائیں۔ وہ جہاں کہیں جائیں اسلام کے مبلغ ہوں۔ ان کے اخلاق و کردار خود سراپا دعوت اسلامی ہیں۔